روڈ، کراچی۔

۱۷۔البقرہ۔۲۵۶

۱۸۔آل عمران۔۲۸

۱۹۔الروم۔۲۱

۲۰۔المجادلہ۔۲۲

۲۱۔المائدہ۔۵

۲۲۔النساء۔۳۶

۲۳۔المائدہ۔۱۰۶

۲۴۔تدبر قرآن، جلد دوم، حاشیہ زیر آیت، ۲۸، آل عمران

۲۵۔اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی، جلد سوم، ص ۳۴۳، حاشیہ آیت متعلقہ

۲۶۔تفسیر احسن البیان، ص ۱۳۹۔حاشیہ آیت متعلقہ

۲۷۔تفسیر ضیاء القرآن، ص ۲۲۰، (جلد اول) حاشیہ آیت متعلقہ

مجلس التفسیر کے سربراہ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کی علمی و فکری سرگرمیاں

بزم نور مصطفیٰ ﷺ کے زیر اہتمام کے۔ ڈی۔ اے فلیٹ، سرجانی پلازہ، بالمقابل سرجانی پولیس اسٹیشن، کراچی میں منعقدہ جلسہ عید میلاد النبی ﷺ سے ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الضحیٰ کی روشنی میں سیرت سرور دو عالم ﷺ پر خصوصی خطاب کیا۔ یہ پروگرام ۲۸ مئی ۲۰۰۵ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء منعقد ہوا۔

محترم نصر اللہ صاحب کی رہائش گاہ واقع گلشن حدید میں "روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا قرآنی تصور" کے زیر عنوان، ڈاکٹر صاحب نے خصوصی لیکچر دیا۔ لیکچر کے بعد سامعین کرام کے سوالات کا جواب دیا۔ واضح ہو کہ نصر اللہ صاحب کے زیر انتظام گلشن حدید کے مختلف مقامات پر ڈاکٹر صاحب کے لیکچرز کا سلسلہ گذشتہ دس سال سے جاری ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن کے جشن آزادی کے تعلق سے منعقد کیے گئے ایک ٹاک شو بعنوان "آزادی کا مطلب کیا" میں ڈاکٹر صاحب نے بطور Panelist شرکت کی۔ دیگر شرکاء میں پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن، سید علی مرتضیٰ زیدی، سفینہ جاوید اور جوگی رام شامل تھے۔ یہ پروگرام ۲۵ جولائی ۲۰۰۵ء بروز پیر ریکارڈ ہوا۔

(رپورٹ: شاہین افروز)

چہار گانہ شعری ادبیت سے قرآن مجید پاک ہے

محمد اعظم سعیدی

قومی ادبی ایوارڈ یافتہ ادیب

مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال، کراچی

قرآن مجید کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ اس مادی دنیا کے فریفتہ، مادی مظاہر میں مستغرق، مادی وسائل میں پناہ گزیں، مادی ہوا و ہوس میں غوطہ زن اور مادی طاقتوں سے ضروریات زندگی پوری کرنے والے انسان کو اس مافوق المادہ یا مافوق الفطرت حقیقت عظمیٰ سے غافل اور لاتعلق نہ ہونے دے جو ان مادی مظاہر و وسائل اور کائنات و مافیہا کا خالق، مالک، حاکم اور قانون ساز ہے۔

قرآن مجید جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا نچوڑ و خلاصہ، جملہ صحف و کتب سماوی سے کشید کیا ہوا عطر، تمام علوم و حکمت کے گنجینہ ہائے سربستہ کے ثمرات کا حسین مرقع ہے، علوم اولین و آخرین سے نہ صرف مرصع بلکہ ان کا مؤید و ممد ہے۔ اگر علوم منقولہ، علوم اخباریہ (ازمنہ گذشتہ کی تاریخ و قصص) اساطیر الاولین، اور علمی حقائق اور فلسفی دقائق پر مبنی کتاب، ادق اور ثقیل کلام پر مشتمل ہوتو دور جہالت و جاہلیت میں ایسی کتاب کا نزول لایعنی و لاحاصل ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کا مخزن فرمایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب کہ جسکے نزول کا منتہائے مقصود علم و یقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو اور جو صدق دل اور خلوص نیت سے ترتیب و تدوین کے مراحل سے گذاری گئی ہو، جو سراپا راستی اور مبنی بر حقیقت ہو، جس میں واقع الامر کی تائید اور صراط مستقیم کی توکید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو اس کا سچا اور صحیح راستہ دکھانا ہو، اور حتی الوسع وحتی المقدور انفرادی و اجتماعی ہلاکت سے بچانا ہوتو ایسی ہر کتاب از خود اپنے زور بیان سے اپنی صداقت کو منوالیتی ہے اور تعمق افکار کے باعث بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن

جاتی ہے۔ لیکن اس فصاحت و بلاغت کا شاعرانہ تکلف اور آمد و آورد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہی مذکورہ معنوں میں قرآن مجید بھی فصیح و بلیغ ہے مگر شعراء جیسی ادبی تعلیوں اور دروغ بافیوں سے مبرا و منزہ ہے۔

علم معانی کی رو سے فصاحت و بلاغت اور ادب باہم متضاد ہیں، قریب الفہم یا مدرک العقل امور و علوم، فصاحت و بلاغت کے زمرے میں آتے ہیں کہ جن کا ایک ایک حرف، ایک ایک جملہ اتنا سہل اور قریب الفہم ہوتا ہے کہ عقل انسانی متلاطم سمندر میں غوطہ زنی کیے بغیر نفس ساحل سے ہی مقصود حاصل کر سکتی ہے۔ جب کہ ادبی ترہات اس کے قطعاً برعکس ہوتے ہیں، کیوں کہ ایک تو وہ ثقیل کنایات اور ادق کلام پر مبنی ہوتے ہیں، دوم اس میں بجز تعلّی کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسی ادبی باریکیوں کو سمجھنا اور مقصود تک رسائی بغیر غوطہ زنی اور ذہنی و عقلی محنت شاقہ کے حاصل نہیں ہوتی۔

الغرض شعری ادبی ترہات اور علم فصاحت و بلاغت میں وسیع تفاوت ہے اور قرآن مجید کی صلائے عام کہ اس قرآن جیسی کوئی ایک سورت ہی لے آؤ یا اس قبیل کی دس آیات ہی گھڑ لاؤ یا صرف ایک ہی آیت لا کر دکھا دو یا اگر وہ دعویٰ میں سچے ہیں تو قرآن مجید کے کسی ایک قول جیسی ہی بات لے آئیں۔ پھر فرمایا کہ اکناف عالم کے جن و انس مجتمع ہو کر بھی اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ اس چیلنج اور صلائے عام میں قرآن کا مثیل شعر و ادب یا رجز و سجع میں طلب نہیں کیا گیا۔ بلکہ علم و حکمت اور تفصیل و ہدایت میں طلب کیا گیا ہے۔۔۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، عالم آراء حکمت و موعظت، ناپید اخبار و امثلہ، حیرت انگیز صداقت اور بے نظیر ہدایت پر مبنی ہے تاکہ شعراء کی خود ساختہ لاف گزاف ترہات سے متعلق ہے کیونکہ بیشتر مقامات پر قرآن مجید نے اپنے شعر ہونے اور صاحب قرآن کے شاعر ہونے سے صاف انکار فرمایا ہے (ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون) یعنی کیا وہ لوگ رسول خدا احمد مجتبیٰ ﷺ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہیں جس نے اپنے پر کشش تخیل، حسین تصور اور زور کلام سے چند افراد کو اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔ ان کی شان و شوکت اور واہ واہ تب تک ہے جب تک وہ بقید حیات ہیں، اور ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب موت ان کے پاس آئے اور ان کی تعلیاں پیوند خاک ہو جائیں۔ مگر اللہ عزوجل نے رسول کریم ﷺ کے شاعر ہونے کی تردید فرما دی کہ (وما علمناه الشعر وما ینبغی له) اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ بھی شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی شاعری آپ کی شان رفیعہ کے لائق ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کی حیثیت کو شعر سے بے انتہاء بلند جتلانے کے لیے شعراء کو بدراہ، بے سروپا تخیل و تصور، اور وہم و گمان کی وادیوں میں سرگرداں، جھوٹے اور مفتری قرار دیا ہے۔ (والشعراء یتبعهم الغاون ... وما هو بقول شاعر) یعنی یہ

قرآن کریم نہ تو کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ ہی کسی کاہن کا ڈھکوسلا ہے اور شعراء تو غیّ کے پیروکار ہیں جبکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے (تنزیل من رب العلمین) اور محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے (نزل علیٰ محمد)

شعراء اور ادباء عرب نے قرآن مجید کو شعر کہا تھا، حالانکہ قرآن مجید موجودہ معانی میں شعر ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ موزوں نہیں ہے، بلکہ تمام کا تمام مقفیٰ و مسجع بھی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب ہر اس کلام کو کہ جس میں لطافت بیان ہو، ایجاز و اختصار ہو، جس کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہو مگر بلا لحاظ وزن، قلیل الالفاظ اور ثقیل الالفاظ ہو اسے شعر کہا کرتے تھے۔ اور ان کے نزدیک فصاحت کا معیار یہ تھا کہ خوبی مضمون کے ساتھ خوبصورت الفاظ کی پیوندکاری خوش اسلوبی سے کی گئی ہو۔ اس میں ترنم اور لے ہو، مطالب دلچسپ ہوں، غیر ضروری عمق ہو، لیکن وزن کا ہونا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اسی بناء پر اہل عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات، مناقشات، قصائد، اور مراثی وغیرہ کو شعر میں داخل سمجھتے تھے۔ چونکہ اس خطہ کے شعر کا جزو اعظم یہ تھا کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سماعی محسوسات کو برانگیختہ کیا جائے۔ ان کے اشعار میں باطنی تربیت اور ظاہری تزکیت مقصود نہ تھی۔ اس لیے قرآن مجید کو اپنے متعلق ایسی فصاحت شعری کا معترف ہونا گوارہ نہ تھا۔ اسی نقطہ نظر سے قرآن حکیم نے جا بجا ایسے شعراء اور ایسے فصیح بننے سے انکار کیا ہے۔

اس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ (فاتوا بسورة من مثله) کی صلائے عام جو اللہ رب العلمین نے مختلف انواع میں دی ہے، تو کیا یہ صلائے عام قرآن کریم کی ادبیت، اس کی شعریت و شاعریت، اس کے صنائع اور بدائع کی خوبیوں سے متعلق ہے؟ نہیں قطعاً نہیں، اس کتاب جلیل کی عالم آراء حکمت، اس کے ناپید امثال علم، حیرت انگیز موعظت اور بے نظیر ہدایت سے مذکورہ دعویٰ کو چنداں واسطہ نہیں، ورنہ ابو القاسم حریری کی مقامات کا ایک ایک حرف، امراء القیس اور ابن حجر کے قصائد کا ایک ایک بیت و مصرعہ، ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، ان خود ساختہ ترہات اور لغویات سے اس قدر مملو ہیں کہ قرآن مجید کی سہل الفہم اور مدرک عقل عبارت کو ان کے ادبی معیار کے مقابل قطعی نہیں لایا جا سکتا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب کا تراشیدہ قرآن بھی کہ جس کی چند پریشان اور منتشر و متفرق آیات کہیں کہیں مل جاتی ہیں وہ بھی عہد جاہلیت کے ادبی اسلوب شعر میں کہیں کم نہیں ہیں۔ آخر اسی کذاب مدعی نبوت اور مفتری علی اللہ کی سحر کلامی نے ہی قبائل عرب کی ایک کثیر تعداد کو دام تزویر میں دم بخود کر رکھا تھا۔

قرآن مجید آج اکناف عالم میں پھیل کر ساکنان عالم کے لیے حرز جان و ورد زبان اور مشعل

رشد و عرفان بن گیا ہے جب کہ سیلسہ قرۃ العین وغیرہ جیسے ترہات کے تخلیق کاروں کا قافلہ پیوند خاک ہو چکا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن مجید کی زبان، علم وادب کے ان رسمی قواعد کی رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان نے ہی وضع کیا ہے اور نہ اس لیے کہ مالک کلام (اللہ تعالیٰ) نے اس کمزور و ناقص انسان کے تخلیق کردہ مزعومہ بہترین اسالیب کا نعوذ باللہ تتبع کیا ہے۔ بلکہ یہ اس لیئے ہے کہ کلام الٰہی میں مضامین کی حقانیت وصداقت پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ نیز یہ تصنیف جلیل کلام ملوک میں ملک الکلام ہے۔ جس کی حکمت وحقیقت، جس میں موجود علم وفضل اور نور ہدایت جملہ انسانی تالیفات وتصانیف سے یقیناً بالاتر ہے، یہی ناپیدا کنار علم کا مخزن ومنبع ہونا ہی وہ مات کن فضیلت ہے جس کے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جھک گئی تھیں۔ اور در کعبہ پر آویزاں قصائد کے مصنفین وتخلیق کاروں کے منہ لٹک گئے تھے ادبائے عرب و عجم دم بخود رہ گئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سخت گیر وآہن مزاج انسان بھی موم ہو گئے تھے۔ حضرت ابوسفیان نے بالآخر توبہ کر لی تھی۔ اور آج بھی قرآن مجید سے بغاوت کرنے والے اگر گردن اطاعت خم کرتے ہیں تو قرآن کی ادیبانہ وشاعرانہ چست بندیوں کو دیکھ کر نہیں بلکہ لامحالہ اس کے علمی حقائق سے قائل ہو کر اور اس کے دائمی قوانین کو مان کر کرتے ہیں۔

ادبائے عرب کا علم وادب کیا تھا؟ خیال آرائی، تخیل وتوہم، تفاؤل وتشاؤم، وہمی تراشیدہ روایات اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار تھا، جو ان کا اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ شعر گوئی کا یہ ولولہ تھا کہ حالت خواب میں بھی رجز و سجع بلا تامل کہہ دیتے تھے، ظہور اسلام سے پیشتر بیسیوں برس تک ہزل گوئی کے یہ پرستار ادب کے جنونی، امراء القیس، زہیر ولبید بن ربیعہ کے معلقات سبع کے سامنے ماتھا رگڑتے رہے اور مجمہرات اور منتقیات السبع کے مصنفوں کو اپنے فکر وتخیل اور ادب کا سچا رہنما مانتے رہے، مگر قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورۃ (سورۃ الکوثر) نے ان تمام مجموعہ ہائے ترہات کو پیوند زمین کر دیا۔ تخیلاتی اور توہماتی ادب پرستی جڑ سے اکھڑ گئی۔ غرض کہ ترہاتی ولاف گزافی ادب سے متعلق جملہ مافوق الفطرت عقائد ونظریات اور دعاوی ایک مختصری سورۃ کے مقابلے میں باطل ہو گئے۔ قرآن مجید کی روشن ونمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گئے۔

متاخرین نقادان عرب نے علم ادب میں ہر طبقہ کے شعراء کے اعلیٰ پائے کے سات قصیدوں کو معلقات کے انداز پر منتخب کر کے سات حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ میں سات قصائد ہیں یعنی مجموعی انچاس (۴۹) قصائد ہیں اور ان انچاس قصائد کا نام سبع اسابع رکھا ہے جن کے نام مع تفصیل درج ذیل ہیں۔

۱۔ **سبع معلقات**: ان قصائد میں سے سبع معلقات کے ساتوں قصائد بڑے مشہور تھے۔ (یہ قصائد کچھ عرصہ پہلے تک دینی مدارس کے نصاب میں شامل تھے جبکہ کچھ مدارس میں اب بھی پڑھائے جاتے ہیں) سبع معلقات کے مصنفین درج ذیل ہیں۔ (۱) امراء القیس (۲) زہیر بن ابی سلمیٰ (۳) حارث بن حلزہ (۴) لبید بن ربیعہ (۵) عمرو بن کلثوم (۶) طرفہ بن عبد (۷) عنترہ بن شداد

۲۔ **سبع مجمہرات**: یہ دوسرے درجہ کے قصائد کا مجموعہ تھا، یہ قصائد نسبتاً کم مشہور تھے۔ ان کے مصنفین درج ذیل ہیں۔ (۱) نابغہ ذبیانی (مشہور حرب قیس کا ایک فریق اور قبیلہ ذبیان کا فرد) (۲) عبید بن ابرص (۳) عدی بن زید (۴) بشر بن کازم (۵) امیہ بن ابی الصلت (۶) خداش بن زہیر بن ابی سلمیٰ (۷) نمر بن تولب العکلی

۳۔ **سبع منتقیات**: یہ تیسرے درجہ کے قصائد پر مبنی مجموعہ تھا اس کے مصنفین شعراء اکثر زمانہ جاہلیت ہی کے تھے اور ان کے نام درج ذیل ہیں (۱) مسیب بن علس (۲) مرقش بن جریر (۳) مرقش الاصغر (۴) عروہ بن الورد (۵) درید بن صمہ (۶) مہلہل بن ربیعہ (۷) عثمان بن ثویہ

۴۔ **سبع مذھبات**: یہ چوتھے درجہ کے قصائد کا مجموعہ تھا ان قصائد کے مصنفین کے نام یہ ہیں۔ (۱) حسان ابن ثابت (۲) عبداللہ بن رواحہ (۳) مالک بن عجلان (۴) قیس بن حطیم (۵) احیحہ بن خلاج (۶) قیس بن الصلت (۷) عمرو بن امراء القیس

۵۔ **سبع مراثی**: یہ پانچویں درجہ کے قصائد کا انتخاب تھا۔ ان میں تخیل یعنی کہانت وتوہم کی پیروی کی تعلیم دی گئی تھی۔ ان قصائد کے شعراء کے نام یہ ہیں۔ (۱) ابو ذویب ھذلی (۲) محمد بن کعب (۳) اعشیٰ باہلی (۴) علقمہ مطموس (۵) ابوزبید طائی (۶) مالک بن ذہب نجلی (۷) متمم بن نویرہ

۶۔ **سبع مشوبات**: یہ پچھلے درجے کے شعراء کے قصائد کا منتخب مجموعہ ہے۔ ان قصائد کے مصنفین کے نام درج ذیل ہیں (۱) کعب بن زہیر (۲) نابغہ بن جعدہ (۳) قطامی (۴) حطیہ (۵) تمیم بن مقبل (۶) شماخ (۷) عمرو بن احمد

۷۔ **سبع ملحمات**: یہ ساتویں درجہ کے قصائد کا مجموعہ ہے۔ اسی مجموعہ کو ہزلیہ شاعری کا انتخاب بھی کہا گیا ہے۔ ان قصائد کے مصنفین درج ذیل ہیں۔ (۱) فرزدق (۲) جریر (۳) اخطل (۴) عبید راعی (۵) ذوالرمہ (۶) کمیت بن زید (۷) طرماح

ان مجموعہ ہائے قصائد میں سبع معلقات وہ مجموعہ ہے جس کے ادب کے سامنے قادر الکلام اہل

عرب اپنی گردنیں خم کیے ہوئے تھے اور یہی وہ مجموعہ تھا جو در کعبہ پر آویزاں کرکے دعوت مقابلہ و مبارزہ دی گئی تھی کہ کوئی بھی مدعی ادبیت اس ادب کا مثل پیش کر دکھائے؟ جب حضور اکرم ﷺ نے سبع معلقات کے مقابلے میں قرآن مجید کی مختصری سورۃ در کعبہ پر آویزاں کروائی تو دوسری صبح سبع معلقات کے مصنفین کے چہرے اتر گئے اور پکار اٹھے ما ھذا کلام البشر کہ کسی بشر کا کلام ہی نہیں ہے۔ یہاں ہمیں پھر اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔

ترجمہ: اے محمد آپ اعلانیہ فرما دیں کہ اگر اطراف عالم کے جملہ انس و جن بھی اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل دوسرا قرآن بنالیں تو اس کی مثل لانے پر ہرگز قادر نہ ہو سکیں (القرآن)

اس آیت میں قرآن مجید کی ادبیت موہومہ اور عبارت آرائی سے متعلق ایک حرف بھی نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ ادب میں ہی تھا تو پھر تمام دنیا کے جن و انس کو دعوت مقابلہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف قادر الکلام اہل عرب شعراء و ادباء کو ہی بلایا جاتا، جن کا مقابلے پر آنا کچھ حیثیت و معنی بھی رکھتا، جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جس کے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوی کر سکتا ہے اور وہ خوبی علم و حکمت اور ہدایت و رشد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتی۔ نیز اسی آیت میں جملہ (اس قرآن کی مثل) آیا ہے جس سے اظہر من الشمس ہے کہ اسکی مثل کا اشارہ قرآن مجید کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت و ہدایت ہی کی طرف ہے جس میں منکرین نے اساطیر الاولین کہہ کر تخفیف کرنے کا مذموم ارادہ کیا تھا۔ اگر اس سے ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اساطیر الاولین کے الفاظ بے موقع اور بے معنی ہوتے، کیونکہ اساطیر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ ہی اولین سے مراد قدیم ادباء و شعرا کی جماعت ہے۔

اسی معنوں میں ''مثل'' کا لفظ سورۃ طور میں آیا ہے وہاں بھی صاف طور پر قرآن کریم کا مثل شعر و ادب میں طلب نہیں کیا گیا۔ بلکہ مقصود قرآن حکیم کے مضامین اور اس کی صداقت کو بلحاظ قدر و قیمت برتر ثابت کرنا ہے نہ کہ شعر و ادب میں مثل طلب کرنا ہے، نعوذ باللہ خداوند کریم کوئی شاعر نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ادبی مقابلے کی صلائے عام دیتا پھرے۔ اگر بعثت رسول ﷺ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب ادبیت و شعریت کا خوگر تھا اور اہل عرب کو اپنی شاعری کے مقابل تمام دنیا بے زبان گونگی نظر آتی تھی تو بھی اللہ تعالی پر اسکا کوئی اثر نہ پڑتا اور نہ اللہ تعالی کو ان کے مقابلے پر اپنی ادبیت کو ظاہر کرنے کا شوق ہے۔ اس پاک ذات نے قرآن مجید کو اگر عربی زبان میں اتارا تھا تو صرف اس لیئے کہ عرب کی گمراہ قوم قانون خداوندی کو سمجھ لے اور اس کے منشاء کو اخذ کرے تاکہ اہل عرب کا کوئی عذر لنگ باقی نہ رہے اور ان کی بہانہ

سازیاں معدوم ہو جائیں اور یہ قرآن پاک ان کے لیے باعث پند و نصیحت ہو، مصدر امن و بشارت ہو، اس کے علاوہ عربی زبان میں نزول قرآن کا کوئی اور مقصد نہ تھا (جعلنه قرانا عربیا لعلکم تعقلون) لوگوں یہ صحیفہ کائنات جو تمہارے سامنے عیاں اور منور ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ ہم نے اس قرآن حکیم کے جملہ پوشیدہ قوانین کا ترجمہ سہل اور عربی زبان میں اس لیے کر دیا ہے کہ تم اس کے سربستہ رازہائے دروں کو سمجھ کر عقلمند ہو جاؤ گویا قرآن حکیم صحیفہ فطرت کے قوانین کا لب لباب ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے ''تو کیا یہ لوگ قرآن مجید کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے'' قرآن کریم تو تمام عالم کے لیے بصیرت و تدبیر کی باتوں سے معمور ہے لیکن رحمت و ہدایت اسی قوم کے حصے میں آئے گی جو قرآن کی سچائی پر بالاستقلال یقین رکھ کر اس میں تدبر کرے گی۔

وہ لوگ جو دین کے اسرار و رموز اور منشاء و وجود سے آگاہ ہیں، جس کی رکھی بنیاد قرن اول میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے رکھی، جنہوں نے تدبر سے کشید کیا ہوا عرق چکھا اور خود صاحب قرآن کی صحبت میں رہے اور سالہا سال اصحاب صفہ کی مجلس میں بیٹھے، جس کو بلا استثناء سب صحابہ کرام نے ایمان و یقین کی خشت اول قرار دے کر قرآن مجید کی ایک ایک آیت کے مطالب و مفاہیم کی تفسیر میں برسوں تک تدبر کرنا عین ایمان سمجھا تھا، اسی تدبر و تفکر نے ان کے ذہنوں میں یہ بات نقش کر دی کہ قرآن حکیم کی آیات اور ان کے مطالب کس قدر محکم و مستحکم، کس قدر صحیح و فصیح کس قدر مطابق اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں جبکہ اس کے مقابل کوتاہ نظر انسان کا علم کس قدر ہیچ ہے خدائے لم یزل کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اسے بغور پڑھے، بار بار پڑھے اور دیکھے، مگر اس میں کسی قسم کی کجی، غلطی کی یا کسی غیر مناسب تطبیق کا دریافت کرنا اس کے لیے قطعی محال اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔

الغرض مذکورۃ الصدر تفاصیل اور حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی زندگی کے اصول و قواعد اور بنیادی ضوابط کی جستجو میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال اور قیاس و رائے کے ہر نظری مذہب سے قطعاً بے نیاز ہو جاتے۔ وہ اللہ تعالی کے محیط علم اور محیط فلسفہ کی موجودگی میں کسی ارسطو یا افلاطون کی حکمت کے محتاج نہ ہوتے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو خوش اسلوبی سے گذارنے کے لئے اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے اور اپنے ہر مسئلے اور طریق عمل سے متعلق جملہ بشارات، رہنمائی و ہدایات اور علم و خبر اسی کتاب الہی سے اخذ کرتے اور قرآن مجید ہی کو اپنے عقائد و نظریات کی حقیقی رسی اور مادی و روحانی مجاہدات کی مضبوط اساس بناتے، معاشرت و معاشیات، عمرانیات و اقتصادیات اور اجتماعی استحکام کا مرکز ثقل اور محور علم یقین کرتے اقوام و ملل کی ترقی و انحطاط اور عروج و

زوال کے اسباب و وجوہات، انداز حکمرانی کے اصول، تسلط و تخلف فی الارض کے طریقے، علوم و فنون کے مصادر اور قوانین فطرت اسی قرآن سے لیتے اور ان پر عمل کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہی تمام عالم کے لئے ضابطہ عمل اور مکمل آئین مذہب قرار دے کر فرمایا ہے کہ "آج میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرما کر تمہیں دین و دنیا کی نعمتیں بخش دی ہیں"۔

بہر حال اس پر کافی شواہد و براہین موجود ہیں کہ قرآن مجید، شعری ادب اور شعری فصاحت و بلاغت سے پاک ہے اور اسی پر ہمارا ایمان بھی ہے کہ نہ تو قرآن مجید شعر ہے اور نہ حضور اکرم ﷺ شاعر ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ بھی یہی ہے کہ ہم نے اپنے رسول ﷺ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی شاعری آپ کی شان کے لائق ہے وما علمنه الشعر و ما ینبغی له اسی طرح قرآن مجید کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ یہ کسی شاعری کا قول نہیں ہے وما هو بقول شاعر اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے ولا بقول کاهن۔

خود اہل عرب کے ادباء و شعراء نے بھی بجز ایک دو دفعہ کے نہ قرآن کو شعر کہا ہے اور نہ صاحب قرآن کو شاعر کہا ہے بلکہ اس کلام کو اپنے فہم و ادراک سے ماورائی دیکھ کر حیرت سے کہتے تھے کہ یہ تو صریح جادو ہے ان هذا الا سحر مبین یا کہتے کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے وقالوا ما هذا الا افک مفتری کبھی کہتے یہ تو جادو گزیدہ شخص ہے الا رجلا مسحورا کبھی کہتے کہ اس قرآن کی مثل تو ہم بھی بنا سکتے ہیں یہ تو پہلوں کے قصے ہیں لو نشاء لقلنا مثل هذا ان هذا الا اساطیر الاولین کبھی کہتے یہ تو بنائی ہوئی باتیں ہیں ان هذا الا اختلاق کبھی کہتے یہ اڑتے ہوئے خواب ہیں بلکہ اس کے گھڑے ہوئے ہیں قالوا اضغاث احلام بل افتراه کبھی کہتے یہ تو سابقہ امتوں کے قصے ہیں جو انہوں نے لکھ رکھے ہیں وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها کبھی کہتے یہ تو جھوٹا جادو گر ہے هذا ساحر کذاب کبھی کہتے یہ تو افک و افتراء ہے هذا الا افک ن افتراه اور کبھی کہتے یہ تو سکھلایا ہوا مجنون (دیوانہ) ہے وقالوا معلم مجنون۔

نیز قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین قرآن ادبائے عرب کے حوالے سے دو مرتبہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کو شاعر کہا ہے ایک سورۃ انبیاء کی آیت ۵ میں بل هو شاعر بلکہ وہ شاعر ہیں اور دوم سورۃ طور کی آیت ۳۰ میں ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون یا وہ کہتے ہیں یہ شاعر ہیں اس پر گردش زمانہ کے منتظر ہیں یعنی ادبائے عرب نے براہ راست قرآن مجید کو شعر نہیں کہا بلکہ حضور اکرم ﷺ کو شاعر کہہ کر قرآن کو شعر کہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے

بھی حضور اکرم ﷺ کے شاعر ہونے کی نفی فرمائی ہے اور فرمایا وما علمنه الشعر و ما ینبغی له کہ ہم نے اپنے رسول کو نہ شاعری کی تعلیم دی ہے اور نہ ہی شاعری آپ کی شان کے لائق ہے یہ اسی شاعری کی نفی ہے جو عرب میں معروف و رائج تھی ورنہ چند اشعار آپ کی ذات سے منسوب ہیں جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں اور آپ نے ممدوح شاعری سماعت بھی فرمائی اور اس کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ بہر حال قرآن کی حقانیت اور اسکی تاثیر کے وہ معترف تھے مگر ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث وہ خود بھی قرآن نہیں سنتے تھے اور دوسروں کو بھی سماعت سے روکتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حرکت کو یوں بیان فرمایا ہے لا تسمعوا بهذا القرآن والغوا فيه یعنی کان لگا کر یہ قرآن نہ سنو اور (جب وہ پڑھیں تو) شور مچاؤ اسی طرح جب انہیں قرآن سنایا جاتا تو وہ کہتے قلوبنا اكنة کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں یا پھر کہتے فی اذاننا وقر کہ ہمارے کانوں میں گرانی (بوجھ) ہے الغرض یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قرآن مجید، شعری ادب، شعری فصاحت و بلاغت سے قطعی پاک ہے۔ نہ قرآن شعر ہے اور نہ صاحب قرآن شاعر ہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ و حروف اگرچہ زبان عرب کی نوع سے ہیں اور ان کی نظم و نثر میں مستعمل ہیں مگر لسان قرآن کا اسلوب تمام اسالیب سے جدا ہے اور انواع کلام مثلاً قصائد، خطبات، رجز، پیغام، ضرب الامثال وغیرہ میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ بایں ہمہ سب انواع کا جامع ہے۔

ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ
دنیا نہیں مردان جفاکش کے لیے تنگ
چیتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش فرہنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

مترجم: مولانا اکبر علی

سابق استاذ دارالعلوم کراچی، کراچی

پہلی خصوصیت: بلاغت

قرآن حکیم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی، ان کے کلام کی بلاغت اس معیار تک پہنچنے سے قاصر ہے، بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جا رہا ہے اس کے مناسب معنی کے بیان کے لیے بہترین الفاظ اس طرح منتخب کیے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں نہ زیادہ، لہٰذا جس قدر الفاظ زیادہ شاندار اور معانی شگفتہ ہوں گے اور کلام کی دلالت جس قدر حال کے مطابق ہوگی اتنا ہی وہ کلام زیادہ بلیغ ہوگا۔ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند معیار پر پورا اترتا ہے، اس کے چند دلائل ہیں۔

بلاغت کی پہلی دلیل

اہل عرب کی فصاحت بالعموم محسوسات کے بیان تک محدود ہے، جیسے اونٹ، گھوڑے یا عورت اور بادشاہ کی تعریف، شمشیر زنی، نیزہ بازی، جنگ یا لوٹ مار کا بیان، یہی حال عجمیوں کا ہے خواہ وہ شاعر ہوں یا انشاء پرداز، عموماً ان کی فصاحت انہی چیزوں کے بیان میں دائر ہے، بلکہ ان اشیاء کے بیان میں ان کی فصاحت و بلاغت کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ چیزیں اکثر انسانوں کی طبیعت کے مطابق ہیں، دوسرے ہر ملک اور ہر زمانہ کے شاعروں اور ادیبوں نے ان اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی جدید مضمون یا لطیف نکتہ بیان کیا ہے، چنانچہ بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے پہلوں کی موشگافیاں پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔

اب اگر کوئی شخص سلیم الذہن ہو، اور ان چیزوں کے بیان کا ملکہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو تو مسلسل مشق کرنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں خاص طور پر اشیاء کا بیان نہیں کیا گیا، لہٰذا اس میں ایسے فصیح الفاظ کا وجود نہ ہونا چاہیے جن کی فصاحت اہل عرب کے نزدیک مسلّم اور متفق علیہ ہے۔

دوسری دلیل

قرآن کریم میں اللہ نے سچائی اور راست گوئی کا پورا اہتمام کیا ہے اور سارے قرآن میں کوئی ایک بات غلط یا جھوٹ نہیں ہے۔ ادھر جو شاعر اپنے کلام میں سچ بولنے کی پابندی کرے اور جھوٹ کی آمیزش سے احتراز کرے اس کا شعر یقیناً فصاحت سے گر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کہاوت مشہور ہو گئی کہ ”بہترین شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہو“۔ تم دیکھتے ہو کہ لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں بزرگ جب مسلمان ہو گئے تو ان کا کلام معیار سے گر گیا ان کے اسلامی دور کے اشعار جاہلی زمانہ کے اشعار کی طرح زوردار نہیں ہیں، لیکن قرآن کریم باوجود جھوٹ سے پرہیز کرنے کے نہایت فصیح ہے۔

تیسری دلیل

کسی قصیدہ کے تمام اشعار شروع سے آخر تک فصیح نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام قصیدہ میں ایک ہی دو شعر معیاری ہوتے ہیں اور باقی اشعار پھیکے اور بے مزہ، قرآن کریم اس کے برعکس باوجود اتنی بڑی ضخیم کتاب ہونے کے سارے کا سارا اس درجہ فصیح ہے کہ تمام مخلوق اس کے معارضہ اور مقابلہ سے عاجز ہے، جس کسی نے سورۂ یوسف (علیہ السلام) کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہوگا وہ جانتا ہے کہ اتنا طویل قصہ بیان کے لحاظ سے جان بلاغت ہے۔

چوتھی دلیل

اگر کوئی شاعر یا ادیب کسی مضمون یا قصہ کو ایک سے زیادہ بار بیان کرتا ہے تو اس کا دوسرا کلام پہلے کلام جیسا ہرگز نہیں ہوتا اس کے برخلاف قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، پیدائش و آخرت کے احوال احکام اور صفات خداوندی بکثرت اور بار بار بیان کیے گئے ہیں۔ انداز بیان بھی اختصار اور تطویل کے اعتبار سے مختلف ہے عنوان و بیان میں ایک ہی اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہر تعبیر اور ہر عبارت انتہائی فصاحت کی حامل ہے اس لحاظ سے دونوں عبارتوں میں کچھ بھی تفاوت محسوس نہیں ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل

قرآن کریم نے عبادات کے فرض ہونے، ناشائستہ امور کے حرام ہونے، اچھے اخلاق کی ترغیب دینے، دنیا کو ترک کرنے اور آخرت کو ترجیح دینے یا اور اسی قسم کے دوسری باتوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے ان چیزوں کا ذکر و تذکرہ کلام کی فصاحت کم کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فصیح شاعر یا ادیب فقہ یا عقائد کے دو دس مسئلے ایسی بہترین فصیح عبارت میں لکھنے کا ارادہ کرنے جو بلیغ تشبیہات اور دقیق استعاروں کو لئے ہوئے ہو تو وہ قطعی عاجز ہوگا اور اپنے مقصد میں ناکام۔

چھٹی دلیل

ہر شاعر کی سحر کلامی ایک ہی فن تک محدود ہوتی ہے اس کا کلام دوسرے مضامین کے بیان میں بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ شعراء عرب کے متعلق مشہور ہے کہ امراء القیس کے اشعار شراب، کباب، عورتوں کے ذکر اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثل اور لاجواب ہیں۔ نابغہ کے اشعار خوف و ہیبت کے بیان میں اعشی کے شعر حسن طلب اور شراب کے وصف میں، زہیر کے اشعار رغبت اور امید کے بیان میں بے نظیر ہوتے ہیں شعراء فارس نظامی اور فردوسی جنگ وجدل کے بیان میں یکتا ہیں۔ سعدی غزل گوئی کے بادشاہ ہیں تو انوری قصیدہ گوئی کے امام ہیں۔

اس کے برعکس قرآن حکیم خواہ کوئی مضمون بیان کرے ترغیب کا ہو یا ترہیب کا ڈرانے والا ہو یا نصیحت کا، ہر مضمون میں اس کی فصاحت کا سورج نصف النہار کو پہنچا ہوا ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر ہر صنف بیان کی ایک ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی بلاغت کے نمونے

ترغیب کا مضمون

ترغیب کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ''مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ،

ترجمہ: کوئی شخص آنکھوں کی ٹھنڈک کے اس سامان کو نہیں جانتا جو (اس کے لئے پوشیدہ رکھا گیا ہے)۔

ترہیب کا مضمون

جہنم کے عذاب سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَیُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا

یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ'' غَلِیْظٌ''۔

ترجمہ: ہر ظالم اور معاند شخص ناکام رہے گا اس کے پیچھے ایک بھرا کنواں ہے اسے پیپ لہو کا پانی پلایا جائے گا، جسے وہ گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا۔ مگر مجال ہے کہ اسے خوشگواری کے ساتھ حلق سے اتار سکے، اور اسکے پاس ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں، اور اسکے پیچھے شدید عذاب ہوگا۔

دھمکی اور ملامت

دنیوی عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے ارشاد ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا، وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْآ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ط۔

ترجمہ: پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے عوض دھر لیا، ان میں سے بعض وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ بھیجا بعض وہ تھے جنہیں چیخ نے آپکڑا اور بعض وہ تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض وہ تھے جنہیں ہم نے غرق کر ڈالا، اور اللہ ظلم کرنے والا نہ تھا وہ لوگ تو خود اپنے جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

وعظ و نصیحت

وعظ و نصیحت کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے:

اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ط۔

ترجمہ: اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر آپڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے۔

ذات و صفات کا بیان:

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ط۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر شئے اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے ہے، وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا عالی شان ہے۔

ساتویں دلیل

اگر کلام کو ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب منتقل کیا جائے اور وہ مختلف مضامین کے بیان پر مشتمل ہو تو ایسی شکل میں کلام کے اجزاء کے درمیان عمدہ قسم کا ربط اور جوڑ نہیں رہتا۔ اس لیے وہ کلام بلاغت کے معیاری درجہ سے گر جاتا ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم میں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی جانب انتقال وگریز بکثرت پایا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ امر و نہی کے مضامین اور خبر و استخبار وعدہ و وعید اور کہاوتوں کے مختلف النوع مضامین بیان کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس میں کمال درجہ کا ربط اور تعلق اور آگے کا پیچھے سے جوڑ موجود ہے اور بلاغت کا ایسا اعلیٰ معیار قائم رہتا ہے جو انسانی عادت کے خلاف ہے۔ اسی لیے عرب کے بلغاء کی عقلیں قرآن کو دیکھ کر حیران ہیں۔

آٹھویں دلیل

قرآن کریم کا طرۂ امتیاز ہے کہ اکثر جگہوں پر تھوڑے سے الفاظ میں بے شمار معانی کو اس طرح سمو لیتا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں، اس جامعیت کے ساتھ کہ اس کی حلاوت اور شیرینی اور زیادہ ہو جاتی ہے جن لوگوں نے سورۂ ص کی ابتدائی آیتوں پر غور کیا ہو گا وہ میرے قول کی سچائی کی شہادت دیں گے کہ جس عجیب طریقہ پر اس کی ابتداء کی گئی ہے، کفار کے واقعات اور ان کی مخالفت وعناد کے بیان کے ساتھ گذشتہ امتوں کے ہلاک کئے جانے سے اس کو تنبیہ کی گئی، ان کا حضور ﷺ کی تکذیب کرنا، اور قرآن کریم کے نازل ہونے پر تعجب اور حیرت کرنا بیان فرمایا گیا، پھر ان کے سرداروں کا کفر پر متفق ہونا، ان کے کلام میں حسد کا نمایاں ہونا اور ان کی تعجیز وتحقیر، دنیا اور آخرت میں ان کی رسوائی اور ذلت کی دھمکی، ان سے پہلی قوموں کی تکذیب کا بیان، اور اللہ کا ان کو ہلاک کرنا، قریش اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو امم سابقہ کی سی ہلاکت کی دھمکی، حضور ﷺ کو ان کی ایذا رسانی پر صبر کی ترغیب اور آپ کی دلداری اور تسلی اس کے بعد داؤد، سلیمان، ایوب، ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کے واقعات کا بیان، یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے الفاظ میں بیان فرمائے گئے ہیں، اسی طرح ارشاد ہے۔ ولکم فی القصاص حیٰوۃ" سبحان اللہ اس جملہ کی جامعیت پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اس قدر اختصار اور پھر بے شمار معانی سے مالا مال، بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ دو متقابل معانی یعنی قصاص و حیات کے درمیان مطابقت پر مشتمل ہے ساتھ ساتھ مضمون کی ندرت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ قتل جو حیات کو فنا کر دینے والا ہے اسکو خود حیات کا ظرف قرار دیا گیا ہے، یہ کلام ان تمام تعبیرات اور مقولوں سے بہتر اور

عمدہ ہے جو اہل عرب کے یہاں اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے مشہور ہیں سب سے زیادہ مشہور کہاوتیں اس سلسلہ میں یہ ہیں:

قتلُ البعض احیاء" للجمیع

بعض لوگوں کا قتل باقی تمام انسانوں کے لئے زندگی کا سامان ہوتا ہے

اور

اکثروا القتلَ لیقلَّ القتلُ

قتل زیادہ کرو تا کہ قتل کم ہو جائیں

اور

القتلُ انفی للقتلِ

قتل قتل کو دور کرتا ہے

لیکن قرآنی الفاظ ان کے مقابلہ میں چھ وجہ سے زیادہ فصیح ہیں:۔

۱۔ قرآنی جملہ ان سب فقروں سے زیادہ مختصر ہے، اس لئے کہ "ولکم" کا لفظ تو اس میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لفظ ہر مقولہ میں محذوف ماننا پڑے گا، مثلاً: قتلُ البعض احیاء" للجمیع میں بھی اس کو مقدر ماننا ضروری ہے اسی طرح القتلُ انفی للقتلِ میں بھی، اب صرف فی القصاص حیٰوۃ کے حروف مجموعی دوسرے اقوال کے حروف کی نسبت سے بہت مختصر ہیں۔

۲۔ انسانی کلام القتلُ انفی للقتلِ بظاہر اس کا مقتضی ہے کہ ایک شے خود اپنی نفی کا سبب ہو سکے، اور یہ عیب ہے اس کے برعکس الفاظ قرآنی کا تقاضا ہے کہ قتل کی ایک نوع جس کو قصاص کہا جاتا ہے حیات کی ایک نوع کا سبب ہے۔

۳۔ ان کے بہترین کلام میں تکرار لفظی قتل کا موجود ہے، جو عیب شمار کیا گیا ہے برخلاف الفاظ قرآن کے کہ اس میں تکرار نہیں۔

۴۔ ان کا یہ بہترین کلام قتل سے روکنے کے علاوہ اور کسی معنی کا فائدہ نہیں دے رہا ہے، اس کے برعکس الفاظ قرآنی قتل اور زخمی کرنے دونوں سے روکنے کا فائدہ دے رہے ہیں، اس لئے یہ کلام زیادہ عام اور مفید ہوا۔

۵۔ ان کہاوتوں میں قتل کو ایک دوسری حکمت کا تابع بنا کر اسے مطلوب قرار دیا گیا ہے، اس کے برعکس قرآنی الفاظ میں بلاغت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ قتل کا نتیجہ زندگی کو قرار دیتا ہے جو اصل مقصود ہے، اس

سے خود قتل کے مقصود ہونے پر اشارہ ملتا ہے۔

۶۔ ظلماً قتل کرنا بھی قتل کی ایک نوع ہے مگر یہ قتل کو روکنے والی ہرگز نہیں اس کے برعکس قصاص بہر صورت مفید ہی مفید ہے لہٰذا انسانی کلام بظاہر غلط اور قرآنی الفاظ ظاہری و باطنی طور پر فصیح ہیں۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ط

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور ڈرتا رہے تو ایسے لوگ کامیاب ہیں۔

اس لئے کہ یہ قول باوجود مختصر الفاظ کے تمام ضروری چیزوں کو جامع ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بطریق روم کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز مسجد میں آرام فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کو دیکھا جو آپ کے سرہانے کھڑا ہوا کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں روم کے ان علماء میں سے ہوں جو عربی اور دوسری بہت سی زبانیں خوب جانتے ہیں، میں نے ایک مسلمان قیدی کو تمہاری کتاب کی ایک آیت پڑھتے سنا اور پھر غور کیا تو وہ آیت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی ان تمام آیات کو جامع ہے جو دنیا اور آخرت کے احوال کے سلسلہ میں ان پر نازل ہوئی ہیں، وہ آیت مَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ہے۔

حسین بن علی واقدی اور ایک عیسائی طبیب کی حکایت

نصاریٰ کے ایک طبیب حاذق نے حسین بن علی واقدی سے سوال کیا کہ تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کی کوئی بات ذکر نہیں کی گئی، حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں علم الابدان اور علم الادیان۔

حسین نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے تو پورا علم طب نصف آیت میں بیان فرما دیا ہے، طبیب نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ کہا کہ:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو

یعنی جو کھانے پینے کی چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیو اور حرام کی طرف مت بڑھو اور اس قدر زیادہ مقدار مت استعمال کرو جو مضر ہو، اور جس کی تم کو ضرورت بھی نہ ہو۔

پھر طبیب نے پوچھا کہ کیا تمہارے نبی نے بھی اس سلسلہ میں کچھ فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا بیشک ہمارے حضور ﷺ نے بھی چند الفاظ میں پوری طب کو سمیٹ دیا ہے، طبیب نے پوچھا کیسے؟ انہوں نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَعِدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ، وَاَعْطِ كُلَّ بَدَنٍ مَا عَوَّدْتَهُ۔

ترجمہ: معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز سب سے بڑی دوا ہے۔ اور بدن کو وہ چیز دو جس کا تم نے اسے عادی بنایا ہے۔

طبیب نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اور تمہاری کتاب نے جالینوس کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی یعنی دونوں نے وہ چیز بتا دی جو حفظ صحت اور ازالہ مرض کے لئے اصل اور مدار ہے۔

نویں دلیل

کلام کی شوکت اور شیرینی و حلاوت دو متضاد صفتیں ہیں جن کا اجتماع طویل کلام کے ہر جزو میں مناسب مقدار کے ساتھ عادۃً ادباء کے کلام میں نہیں ہوتا پھر ان دونوں چیزوں کا جا بجا تمام مواقع پر قرآن کریم میں پایا جانا دلیل ہے کہ کمال بلاغت اور فصاحت کی جو انسانی عادت سے خارج ہے۔

دسویں دلیل

قرآن کریم بلاغت کی جمیع اقسام و انواع پر مشتمل ہے، مثلاً تاکید کی اقسام، تشبیہ و تمثیل کی قسمیں استعارہ اور حسن مقاطع اور مطالع و حسن مفاصل کی اقسام، تقدیم و تاخیر، فصل اور وصل اور ایسے رکیک اور شاذ الفاظ سے قرآن کریم یکسر خالی ہے، جو نحوی صرفی قواعد یا لغوی استعمال کے خلاف ہوں، بڑے بڑے ادباء اور شعراء میں سے کوئی بھی ان بلاغت کی مذکورہ انواع میں سے ایک دو سے زیادہ اپنے کلام میں استعمال نہیں کر سکا، اور اگر کسی نے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو ٹھوکریں کھائی ہیں۔ قرآن کریم اس کے برعکس ان تمام انواع بلاغت سے بھرا پڑا ہے۔

یہ دس وجوہ ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے جو انسانی عادت سے خارج ہے، اس بات کو فصحائے عرب اپنے سلیقہ سے سمجھتے ہیں اور عجمی علماء علم بیان کی مہارت اور اسالیب کلام کے احاطے سے اور جو شخص لغت عرب سے جتنی زیادہ واقفیت رکھتا ہوگا وہ بہ نسبت دوسروں کے قرآنی اعجاز کو زیادہ سمجھے گا۔

قرآن کریم کی دوسری خصوصیت